مثنوی گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

مقدمہ

منشی دیا شنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصبی پر سرفراز تھے جو اُس عہد میں نہایت معزز عہدہ خیال کیا جاتا تھا۔ سخن پرستی کا دور دورہ تھا۔ آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے۔ دونوں استادوں کے جوان سال و جولان طبیعت تلامذہ وزیر، صبا، رند، خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستان سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں۔ پنڈت جی طبعی ذوق رکھتے تھے اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے۔ جملہ اصناف سخن میں بے تکلف جودت طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعری کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف گلزار نسیم کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

یہ مثنوی گلزار نسیم محمد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کی گئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مرقوم ہے ؎ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزار نسیم نام بنہاد + تشنید و نوید ہاتفے داد + توقیع قبول روز بیش باد ۱۲۵۴ھ

اسمیں بالکل کلام نہیں کہ یہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت جو مقبولیت اس مثنوی کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اختصار کی جمیل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے ہر بیت کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے۔ لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جسقدر غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب ذہن اسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہونچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس میں ایسے ایسے لطیف استعارے اور نازک خیالیوں کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہائی ترقی کی خبر دیتے ہیں۔ اگر اس امر کو مرکوز خاطر رکھتے ہوئے گلزار نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو ایسا ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں۔ اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد ہی رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک قائم ہے۔ نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی جابجا جواہر ریزوں کی طرح ضوفشانی کر رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی ابتدا سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہل ہنود بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تمجید کو دست و گریباں کر دیا ہے جو انکی مشاقی اور قدرت سخن پر دال ہے ؎ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر + پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے + یعنی کہ مطیع پنجتن ہے + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زبان کی پیش دستی

چاروں بیتوں میں سلسلہ بیان، تدارج خیالات، تناسب لفظی، لطف زبان، جذبِ تخیل، جودت ذہن، اور نزاکت فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

جسطرح اصولاً آغاز میں حمد و نعت لازم و ملزوم ہے اسیطرح مناجات بھی ضروری چیز خیال کیجاتی تھی یہ دستور محض ایشیا کے شعرا میں
محدود نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات جز و اعظم بنگئی ہے۔ نسیم نے بھی گلزار نسیم میں حمد و
نعت کے بعد مناجاتیہ اشعار نظم کیے ہیں۔ اور محاورات کی پختگی۔ بلاغت و ترقی زبان کی کافی و وافی شہادت دیتی ہے
لیکن اختصار کی چھری نے تیسرے اور پانچویں شعر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہے جس سے پڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔

یارب مرے خامہ کو زباں دے + منقار ہزار داستاں دے + افسانۂ گل بکاولی کا + افسوں ہو بہار عاشقی کا + ہر چند سنا گیا ہے اُس کو +
اُردو کی زباں میں سخنگو + وہ نثر تھا اور نظم دوں میں + اس مے کو دو آتشہ کروں میں + ہر چند جو اگلے اہل فن تھے + سلطان قلمرو سخن تھے +
آگے اُنکے فروغ پانا + سورج کو چراغ ہے دکھانا + پر بحر سخن سدا ہے باقی + دریا نہیں کار بند ساقی + طعنہ سے زبان نکتہ چیں روک +
رکھ لی مری اہل خامہ میں نوک + خوبی سے کرو دلوں کو تسخیر + نیرنگ نسیم باغ کشمیر + نقطہ ہوں سفینۂ خوش بیانی + جدول ہوں حصار بحر خوانی +
جو نقطہ لکھوں انہیں جدون آئے + مرکز پہ کشش سے پہنچ جائے۔ اب کچھ مثالیں رمز و کنایہ کی دکھائی جاتی ہیں اس
موقع پر اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں ترقی اور طرز بیان میں عجیب شوخی قابل داد ہے۔ عاشق و معشوق کی بذلہ و
طباعی اور بندش مکالمہ کے ساتھ تشبیہہ استعارہ اور محاورات کی خوبیاں اپنا حق ادا کر رہی ہیں۔

تجب وہ صبح ہو گیا فاش   خنداں خنداں اٹھا وہ بشاش   اُس غنچہ دہن کا مسکرانا   بے رنگ بکاؤلی نے جانا   منہ تو منہ کو کہا ہنسی کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں   بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا   آتش کیا خواب دیکھا تھا   بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر   دلسوزی کریگا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں   خورشید تھا آتش شفق میں   بولی وہ کہ مہرباں تب و روز   عالم میں ہے گرم رونق افروز   بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا۔
گلزار خلیل رو برو تھا۔   بولی وہ بشر ہو تم دلاور   سرسبز ہو قوم آتشی پر   بولا کہ دیکھی اک شبستاں   شعلہ ہوا انجمن میں پنہاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہے   جو نار سجا کے ناچتی ہوں   بولا وہ کہ جب ہوا اجالا   سبحان انجمن نے ہالا   ہالہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا   گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے   بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے   کیا دیکھنے جسکے رات لایا   پہچانتی ہو وہ کسکا والا

محاورات ضرب الامثال کی بھی کمی نہیں نسیم کے کلام کی مقبولیت اس حد تک پہنچگئی ہے کہ مثنوی کے اشعار ضرب المثل کے
موقع پر گوشزد ہوتے ہیں، مثلاً   تقدیر کی ٹلی دباہی دامن   کیا لطف جو غیر پردہ کھولے   جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

گلزار نسیم میں سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں شرابور ہے جو روش شروع میں اختیار کیگئی وہ آخر
تک قائم ہے سب سے پہلے اختصار کو لیجیے۔ اسکی نسبت اہل خوان نسیم کا بہت درست دعوی ہے کہ کسی جگہ سے اگر ایک بیت
بھی کم کر دیجائے تو قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ تو نہیں تناسب لفظی کی حالت ہے کہ مثنوی کی ہر بیت چوتھی کی دلہن
معلوم ہوتی ہے۔ تلاش کرنیوالی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو اسمیں صنعتوں کی

جھلک جگمگاتی دکھائی دے مثلاً ؎
ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے۔ بو ہو کے تو گُل اُڑا نہیں ہے۔

خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہے۔ اسکے تمام مطالب اسی پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیاد دیں محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہیں صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر انکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہے۔ ایک جگہ دل کی تصویر اُتارتے ہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہے ؎
کاوش پہ ہوا اگر سرِ الماس ٭ غنچے نے بجھائی آس کی پیاس ٭
پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچنے میں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انہیں مرصع کاری کا پورا پورا حق ادا کردیا ہے ؎ صورت میں خیال رہ گئی وہ + ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہے، جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہے اور اپنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا نقشہ ہے جسمیں فطرت شعر کی جلتی ہوئی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں چونکہ چیزوں کے نام چمن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلازمہ کی دلکش شان پیدا ہوگئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گلافشانی کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہے ؎
سنبل مرا تازیانہ لانا شمشاد سے سولی پر چڑھانا نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زبان درازیاں کیں پتا بھی پتا کو جب نہ پایا کہنے لگیں کیا ہوا خدایا اپنو میں سے پھول لیگیا کون بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا اوپر کا تھا کون آنیوالا او باد صبا ہوا نہ بتلا خوشبو ہی سونگھا پتا بتلا انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود اسکی سنکے فریاد۔

اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہے۔ زبان کی عمدگی، محاورات کی خوبی، صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم، چستی بندش، حسن تخیل سب ہی کچھ موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہے۔ پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ کے اس کمی کو پورا کر دیتے۔ انھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اردو زبان کی بقا اور موجودگی تک سدا بہار بنی رہیگی۔"

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی کرتا ہے زباں کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کے واسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے منقار ہزار داستاں دے
افسانۂ گل بکاؤلی کا افسوں ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو اردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں اس سے کو دو آتشہ کروں میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے سلطان قلمرو سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر بحر سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک رکھ لے مری اہل خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر نیرنگ نسیم باغ کشمیر
نقطے ہوں سپند خوش بیانی جدول ہو حصار سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں نہ حرف آئے ہرگز نہ کشش مری ہو بیجا سے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان باستانی یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ سلطان زین الملوک ذی جاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ دشمن کش و شہریار تھا وہ
تھے لوح سخن کے چار فرزند دانا عاقل ذکی خرد مند

نقشہ ایک اور نے جمایا — پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
امید کے نخل نے دیا بار — خورشید حمل ہوا نمودار
وہ نور کے صدقے مہر انور — وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اُس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اس کو — پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفل ابتر — مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا اختر خسرواں وہ گلفام — پالا تاج الملوک رکھ نام
جب نام خدا جواں ہوا وہ — مانند نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی
مہر لب شہ ہوئی خموشی — کی نور بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اُس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور — خارج ہوا نور دیدۂ کور
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سُرمۂ طور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے — مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا تجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

پایا جو سفید چشم صفحا — یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
تھا ایک کحال پیر دیریں — جیسے کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مرد خدا بہت کراہا — سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل — پلکوں سے اُسی پہ مار جھنگل

خورشید میں یہ ضیا کرن کی — ہو مہر گیا اُسی چمن کی

اُسنے تو گل ارم بتایا — لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا

شہزادے ہوے وہ چاروں تیار — رخصت کیے شہ نے چار ناچار

شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ — لشکر اسباب خیمے خرگاہ

وہ بادیہ گرد خانہ برباد — یعنی تاج الملوک ناشاد

میدان میں خاک اُڑا رہا تھا — دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا

پوچھا تم لوگ کس کے خیل — جاتے ہو کدھر کو صورت سیل

بولا لشکر کا اک سپاہی — جاتی ہے ارم کو فوج شاہی

سلطان زین الملوک شہزور — دیدار پسر سے ہو گیا کور

منظور علاج روشنی ہے — مطلوب گل بکاؤلی ہے

گل کی جو خبر سنائی اُسکو — گلشن کی ہوا سمائی اُسکو

ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر — قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا پچوسر کھیل کر دلبر بسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی — یوں لائی ہے رنگ بد طرازی

یک چند بھرا کیا وہ انبوہ — صحرا صحرا و کوہ در کوہ

بلبل ہوے سب ہزار جی سے — گل کا نہ پتا لگا کسی سے

وارد ہوے اک جگہ سر شام — فردوس تھا اُس مقام کا نام

اک نہر تھی شہر کے برابر — ٹھٹکے سیارے کہکشاں پر

اک باغ تھا نہر کے کنارے — جویاے گل اُس طرف سدھارے

دلبر نام ایک بیسوا تھی — اُس ماہ کی واں دو جاہ و زر

دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا — نقارہ تھا لو سوے دلبر آیا

بیجا و بجا نہ سمجھے انجان — نقارہ و چوب میں پڑی چوٹ

دروازہ پہ وہ لگی ہوئی تھی — آب آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی — باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوے کا ذکر اُٹھا کر — چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اسکی بھی ہاتھ جو کچھ آتا — اُسکا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلی کا سر چراغدان تھا — چوہا پانسے کا پاسبان تھا
اُلٹاتی اڑی پہ قسمت آسا — بلی جو دیا تو نوش پانسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں — قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیادنی لائی پھانس کر صید — کرسی پہ بٹھائے نقش اُمید
گھاتیں ہوئی دلربائیوں کی — باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر — کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدبد کر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے — بازی چوسر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے — سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جو آتھا — پھندا ہونا بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے — پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا — پھنستے ہی جگ انکا ٹوٹا
زندان کو سب چلے مچل مچل کر — نزدوں کی طرح پھرے نہ چلکر
لشکر میں سحر جو گیا سوئے شہر — پانی سا بکھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاولی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے — یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
جاتا ہیگ رواں کا گرد لشکر — بیٹے تاج الملوک ابتر
پایا جو سفید ہوا کہ یا الٰہی — لشکر پہ کیا پڑی تباہی
تھا ایک کنال تیسے چلکر — گزرا در باغ بیسوا پر
وہ مرد خدا بہ سلسلہ پایہ — نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اسکو
جاتے تھے ادھر سے دو جواری
کہتے تھے فریب دو کے کیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جوا ہے بدکام
بلی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پانسے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بڑا اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پانسے کا چراغ کا الٹ پھیر
سوچا وہ کہ اتنو ہم ہیں آگاہ
اک بلی جو جھپٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر
اک روز اسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اس سنگل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی کھلی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہمشکل یہ سب لقا تھا اسکا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
گھر لائی ہنسی خوشی سے اسکو
اک ایک کی کر رہا تھا خواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
شہزادوں کو جسنے فتح کیا ہے
دلبر اک بیسوا ہے خود کام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سوچا نہ انھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ زرد گھر گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی
کام اسکا تھا بسکہ کھیل کھانا
وہ چشم و چراغ بیسوا کے
نیولا وہ کہ مار آستیں تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش
ہنس ہنس کے حریف نے رلایا
ہارے بہ ہزار بد دماغی
پانسے سے چلی نہ حیلہ سازی
سب ہار کے نقد و جنس بارے
بنیاد جو کچھ تھی جب گنوائی
پھر پانسے نے کی نہ پاسداری
پانسے کی بدی سے آشکارا
دانا کرے کب اس طرف میل
ہارے دیکھا جو بیسوا نے
سوچی کہ نہ اب چلی چال رہیے
بولی بہ ہزار عجز و زاری
لونڈی ہوں نہیں عدول مجکو
بولا وہ کہ سن یہ پیشہ دے چھوڑ
یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے
بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
بولی وہ کہ شکر تو بندہ پرور
انسان و پری کا سامنا کیا
شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر

ہمراہ اسے لیکے اندر آئی
چوسر کا جما وہ کارخانہ
کرنے لگے تاک جھانک آ کے
چٹکی کے بجانے ہی وہیں تھا
دل ہو گیا موش کو فراموش
مانند چراغ اسے جلایا
لی خضر نے غول سے چرائی ؟
اجڑی وہ بسا بسا کے بازی
جیتے ہوئے بندے بد کے ہارے
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی
ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
راجہ نل سلطنت سے ہارا
ہارا ہے جو سکے نام سے بیل
بندہ کیا غیر کا خدا نے
شادی کا مزہ نکال رہیے
تم جیتے میاں میں تمسے ہاری
خدمت میں کرو قبول مجکو
نقارۂ زر کو چوب سے توڑ
یو نہیں انہیں رکھ بجنس جیسے
انشاء اللہ آتے ہیں ہم
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر
مٹی میں ہوا کا تھامنا کیا
کچھ بات نہیں جو رکھیے دلبر

انسان کی عقل اگر نہو گم ہے چشم پری میں جائے مردم
یہ کہہ کے اُٹھا کہا کہ نوجوان جاتے ہیں کہا خدا نگہبان
دولت تھی اگرچہ اختیاری پا مردی سے اسپ لات ماری
جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار یعنے تاج الملوک دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
سائے کو پتا نہ تھا شجر کا عنقا تھا نام جانور کا
مرغان ہوا تھے ہوش راہی نقش کف پا تھی ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں پرتگ ودو یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈانڈا اُتھا ارم کے بادشا کا اک دیو تھا پاسباں بلا کا
دانت اُسکے گورکن قضا کے دو نتھنے رہ عدم کے ناکے
سر پر پایا بلا کو اُس نے تسلیم کیا قضا کو اُس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا حلوا بے دود بے گماں تھا
بولا کہ چکھوں گا میں یہ انسان اللہ اللہ شکر احسان
شہزادہ سمجھ میں تھا اجل کے اندیشے سے رہ گیا دہل کے
بل مارنے کی ہوئی جو دیری سبحان اللہ شان تیری
اُشتر کئی جا رہے تھے اُدھر سے پُر آئے دو دو روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا بھوکا اسے ہوئے شکار لایا
اونٹوں کی جو لوتھیں دیو لایا دم اُسکا نہ اُس گھڑی سمایا

ہورا کے وہیں وہ باربردوش
بیٹھا تو گرا گرا تو بیہوش

چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
یا بھاگ سکو تو راستہ لو

وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے
سب بھاگ اٹھے بھائیوں کے

میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا
خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
گر اس سے بچو تو زہر کیوں دو

حلوے کی پکا کے اک کڑاہی
شیرینی دیو کو چڑھائی

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا
حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا

کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زاد واہ وا واہ

چیز اچھی کھلائی تو نے مجھکو
کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھکو

بولا وہ کہ پہلے قول دیجے
پھر میں جو کہوں قبول کیجے

وہ ہاتھ پر اسکے مار کر ہاتھ
بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ

بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
بدعہدی کی پھر نہیں سہی ہے

گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
بولا کہ ارے بشر وہ گلبن

خورشید کے ہم نظر نہیں ہے
اندیشے کا واں گذر نہیں ہے

واں موج ہوا ہوا پہ اژدر
واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر

ہوتا نہ جو قول کا سہارا
بچتا نہ کہیں تو اے بشر ہارا

رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور
شاید تجھے اُس سے بن پڑے طور

اک سنگ سے پر گیا بلایا
وہ شکل صدا سے تو وہ آیا

حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
ہے یہ بشر نوجواں ہمارا

مشتاق ارم کی سیر کا ہے
کوشش کرو کام خیر کا ہے

حمالہ نام دیونی ایک
چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک

خط اسکو لکھا بایں عبارت
اے خواہر مہرباں سلامت

پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد
رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہی چاہیے کچھ جو سازش
مہمان ہے کیجو نوازش

خط لے کے بشر کو سنے اڑا دیو
پہونچا حمالہ پاس لے کے دیو

بھائی کا جو خط بہن نے پایا
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا

اُس دیونی پاس اک حسین تھی
زنبور کے گھر میں انگبیں تھی

محمودہ نام دخت آدم
لے آئی تھی دیکھ دیونی دم

جوڑا ہمجنس کا ہاتھ آیا
محمودہ نے گلے لگایا

دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ
دو وقت سے شام کو ملے وہ

تھے ضبط و حیا کے امتحاں میں
پردہ رہا ماہ میں کتاں میں

آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ

بولا وہ فسردہ دل سحر گاہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
جو غنچے کو گل کرے صبا ہے

بولا وہ کبھی تو چاہتا ہوں
گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں

پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب

اول کبھی بد نگاہی اپنی
بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زبان منہ اندھیرے
کہتے سنتے اُٹھے سویرے

پوچھا حمالہ نے مہجان
ہمجنس ملا نکالے ارمان

بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
درماں ہی کہ درد لا دوا ہے

بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی جو تو کہے زباں سے
تارے تو اُتار دوں آسماں سے

چہرے کو چھپا کے زیر چادر
محمودہ نے کہا کہ مادر

باپ اسکا ہو اندھے پن سے مجہول
مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

ل داغ اسکا برائے گل ہے
نرگس کے لیے ہوائے گل ہے

ساعی تھی بدل پہ کھنے والی
راہ اُسنے سُرنگ کی نکالی

دیووں سے کہا کہ جو ہے بنجاؤ
تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ

سن حاجت نقب بہر گلگشت
کرتا جو ہوں اپنے دامن و دشت

پوشیدہ زمیں نے کے دلمیں کی راہ
جد باندہ کے خوش پھرے اُسی راہ

جب مہر تہِ زمیں سمایا
اُس نقب کی راہ وہ آدم آیا

صحنِ چمن ارم میں اک جا
بوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا

کھٹکا جو لگا ہیا نوں کا تھا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا

گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
خوشہ کوئی تا کتا نہ ہووے

گو باغ کے پاسباں غضب تھے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں خدا نے کی بند

خوش قد وہ چلا گل و سمن میں
شمشاد رواں ہوا چمن میں

ایوانِ بکاؤلی جدھر تھا
حوض آئینہ وار ام و در تھا

رکھتا تھا وہ آب سے سو تاب
چندے خورشید و چندے مہتاب

پھول اُسکا اندھے کی دوا تھا
رشکِ جامِ جہاں نما تھا

پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پہونچا لبِ حوض سے نہ چنگل

پوشاک اُتار اتر کے لایا
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا

گل لے کے بڑھا ایاغ برکف
چوری سے چلا چراغ برکف

بارہ دری واں جو سونے کی تھی
سو خواب گہِ بکاؤلی تھی

گل اسکے ستون تھے سیاہ جور
چلمن مژگان چشم مخمور

دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
محراب سے در سے چشم و ابرو

پردہ جو حجاب سا اُٹھایا
آرام میں اُس پری کو پایا

بندا سکی وہ چشم نرگسی تھی
چھاتی پہ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی ‌ ‌ ‌ بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سر کی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں ‌ ‌ ‌ بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا گلے لگا دے ‌ ‌ ‌ سوتے ہوئے فتنے کو جگا دے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی ‌ ‌ ‌ ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہا کا ہے من ‌ ‌ ‌ یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
گل چھین کے ہنسی نہ ہووے بالکل ‌ ‌ ‌ خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی ‌ ‌ ‌ یہ کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی ‌ ‌ ‌ مُہرِ خطِ عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا ‌ ‌ ‌ سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سا زمیں کے دل میں آیا ‌ ‌ ‌ اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں ‌ ‌ ‌ نکلا تو وہ ماہرو شتابان
گل ہاتھ میں مثل دستِ بیضا ‌ ‌ ‌ اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیونی اور وہ دختِ انساں ‌ ‌ ‌ دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آ ملا وہ گلچیں ‌ ‌ ‌ اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن سے ‌ ‌ ‌ یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا ‌ ‌ ‌ اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خوابِ آرام ‌ ‌ ‌ یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغِ سحر کے غل سے ‌ ‌ ‌ اُٹھی نکہت سے فرشِ گل سے
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی ‌ ‌ ‌ پُر آب وہ چشمِ حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے ‌ ‌ ‌ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل ‌ ‌ ‌ جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون ‌ ‌ ‌ ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اُس کے اگر پڑا نہیں ہے — بو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل — سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل مرا تازیانہ لانا — شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
تھرائیں خواصیں صورتِ بید — ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں — سوسن نے زبان درازیاں کیں
پتا بھی پتے کو جب ہلایا — کہنے لگیں کیا ہوا خدایا
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون — بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا — تھا اور ہی کون آنے والا
جس گھر میں وہ گل ہو داغ ہو جائے — جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
بولی وہ بکاؤلی کہ افسوس — غفلت سے یہ پھول پڑ گئی اوس
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا — پتلی وہی چشم حوض کا تھا
نام اُسکا صبا نہ لیتی تھی ہیں — اِس گل کو ہوا نہ دیتی تھی ہیں
گلچیں کا جو ہاتھ سے لٹا — غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
او خار پڑا نہ تیرا چنگل — مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
او بادِ صبا ہوا نہ بتلا — خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے — گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام — تھی سبزے سے راست مو بر اندام
اُنگلی لبِ جو پہ رکھ کے شمشاد — تھا دم بخود اُسکی سن کے فریاد
جو نخل تھا سو درخ میں گڑا تھا — جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
رنگ اُسکا غش سے لگا بدلنے — گلبرگ سے کف لگی وہ ملنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی — دستاویز اسکی ہاتھ آئی
خاتم تھی آدم کی نشانی — انسان کی دست برد جانی
انگلی کو خالی پاکر ہیہات — ناکام تھی بدل گیا ہے بد ذات

جسنے مجھے ہاتھ سے لگایا　　وہ ہاتھ سے لگے کہیں حنا ایا
عریاں نے مجھے دیکھ کر گیا ہے　　کھال اسکی جو کھینچئے سزا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک　　خوں رو لی لباس سبز کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں　　سبزے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو　　اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ　　آندھی سی اُٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جائی　　گلچیں کا کہیں پتا لگائی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ　　ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جائی　　اُس رنگ کے گل کی بو نہ پائی
بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے　　پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے　　اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں　　یعنے تاج الملوک حق بیں
جسوقت وہ گل چمن سے لایا　　محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی　　بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا　　جو بن کی طرح اُسے اُبھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب　　رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں　　ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہروش اور وہ ماہ پیکر　　اُس دیونی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اُسکو　　رخصت کی طلب سنائی اُسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ　　دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے کہ لو مری لاگ　　جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سریر پہ بٹھا کے　　پرواز کناں ہوا پہ جا کے

پتلی پہ زرِ گل آزمایا — سونے کو کسوٹی پر چڑھایا

گل سے ہوئی چشم کور تاباں — ہو جیسے چراغ سے چراغاں

منہ دیکھ کے اُسنے دیں دعائیں — پنجے سے مژہ کے لیں بلائیں

گل کے جو اثر سے شادماں تھا — گلچین وہ ہوا سے ہمعناں تھا

ملنا چاروں شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ — یوں خارِ رہ قلم ہے ریشہ

یہ جا کے اُسی جگہ پہ ناگاہ — آ پہنچے وہ چاروں غول ہمراہ

کہتے تھے کہ واہ رے مقدر — کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر

کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گل لینے گئے تھے داغ لائے

کس منہ سے پدر کے آگے جائیں — کیونکر یہ بے پھول منہ دکھائیں

ٹھہرائی کہ اور پھول لیجائیں — کھال کر بے وقوف ٹھہرائیں

اک بادِ ہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول پھولکر غول

کیا پھول ہے کیا اثر ہے آہیں — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں

وہ کور سمجھ ہوا کہ تھا بینا — دیکھا اُسنے جو یہ قرینا

بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے — اُس پھول کی اور گلزمیں ہے

وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں — دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں

ہیں کور ابھی ہیں جو کہ ہوں بینا — اندھا نہیں اب ہوا ہوں بینا

چاروں کو لگی حسد کی گل تو — جھپٹا وہ ہوا کی طرح چل کر

اُس جوگی کے جب برابر آئے — باہم کہا دیکھو پھول لائے

گل ہے کہ علاج نور ہے یہ — گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ

جوگی یعنی وہ شاہزادہ — بولا کہ بجز نہیں زیادہ

پاتے اگر اس درخت کی چھانوں — رکھتے ہی نہ ہم زمیں پہ پانوں

ڈینگ آپ کی سب فضول ہو یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے شکل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ دلخواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آ گیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — حیرت کے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے تونگر
بجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہنچنا بکاؤلی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
وہ باد چمن خرامان — یعنے وہ بکاؤلی پریشان
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آ کے آنے آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زباں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آ ملی پریزاد
سلطان کی سواری آ رہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آدم پری رو — انسان ہو پری ہو کون ہو تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے
ہے کون سا گل چمن کدھر ہے

دی اسنے دعا کہا بصد سوز
فرخ ہوں تمہا ہیں ابن فیروز

گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجئے چھوڑے گانوں کا نام

پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب کہا قناعت

باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
لایا بصد امتیاز ہمراہ

چہرے سے امیرزادہ پایا
گھر لا کے وزیر اسے بنایا

نذریں لیے بندگان درگاہ
دستور سے آ ملے بصد جاہ

دربار میں چاروں شاہزادے
دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے

چاہا گلچیں کا امتحاں لے
پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں لے

بتلانے لگے وہ چاروں ناداں
کوئی یمن اور کوئی بدخشاں

جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
خاتم کے نگیں بنائے ہوتے

تجویز میں تھا یہ صاحب فکر
آیا تاج الملوک کا ذکر

نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے
ان سادہ دلینے کندہ کب ہوئی ہے

ظاہر نہ کیا بطون اپنا [پوشیدہ]
طالع سے لیا شگون اپنا

منزل گہ رہرواں بنا کے
شام و سحر اسمیں آپ آ کے

رہرو کو دیا بلطف و اکرام
آرام جائے بیعنام

آباد ہو تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہونا

تعمیر مکاں سے ہیں جو آثار
یوں خامہ سے ہے یہ بیت معمار

شہزادہ کہ عازم وطن تھا
گل پانے سے خوش چمن چمن تھا

اندھے کو کیا جب اسنے بینا
اور داغیوں نے وہ پھول چھینا

سوچا کہ خوشی حسد کی غم کھاؤ
حمالہ دیوی کو بلواؤ

نقش ارم اک مکاں بنا کے
رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی ۔ وہ دیو تھی بال باندھی آئی

تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں ۔ محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں

دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا ۔ مسکن کے لیے تمھیں بلایا

لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ ۔ جو باغ بکاؤلی کو دے داغ

حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد ۔ آئے تو کہا یہ بن ہو آباد

ویرانے کو گل زمیں بناؤ ۔ گلزار ارم جو اہرمن بناؤ

صناع طلسم کار تھے وہ ۔ گلشن کے لیے بہار تھے وہ

دیوؤں نے ادھر محل بنایا ۔ کشتی سے وہ دخت رز کو لایا

حمالہ اس کی مادر پیر ۔ محمودہ سے ہوئی بغل گیر

کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہ پیر ۔ رخصت ہو کر چلی گئی گھر

گلشن میں سمن بروں کو لایا ۔ نسرین بدنوں سے گھر بسایا

دونوں کو محل میں لا کے رکھا ۔ پھل نخل مواصلت کا چکھا

دیوؤں کو کہا کہ بھر مشکیں ۔ آباد ہو گلشن نگار میں

دو لو آدمی بسکے بن میں آئے ۔ آنے جانے کو گھیر لائے

جو سن کے خبر گیا ادھر کو ۔ جنت سے وہ پھر آ نہ گھر کو

از بسکہ قریب شہر تھا باغ ۔ خورشید افق نظر پڑا باغ

مفلس زردار امیر قلاش ۔ نوکر تاجر فقیر خوش باش

گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان ۔ گلشن میں بس آ گئے صورت جان

ملاقات ٹھہری زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا جواہر آئیں ۔ یوں صفحہ قلم سے ہے نگاریں

ساعد نام ایک مہ لقا تھا ۔ دلبر کا غلام باوفا تھا

صحرا سے جو سیر کر کے آیا ۔ لکڑی کا چٹکا سکے بوجھ لایا

دلوائے ہر ایک کو سبے توت ۔ الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر — کچھ ٹھہر کے پھر آ گئے جانب شہر
کفش میں وہ لعل بے بہا تھے — سن پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
شحنے نے سنا پکڑ بلایا — لے کر اظہار ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید — اک دائرہ تھا برنگ خورشید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا — بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا تو درباں — لا کے اُسے پیشگاہ سلطاں
آداب کیا ادب سے ٹھہرا — ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ — معروض کیا کہ یا شہنشاہ
کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر — چوری کے تو یہ نہیں جواہر
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد — نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
حضرت یہ وہی تو ہیں تبردار — جا اسنے نہ لو لیو خبردار
پھر کر انھیں پاؤں شحنہ بے آس — آیا زین الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اک بنا ہے — یہ شہر اجڑا ہے وہ بسا ہے
جو کوئی سمجھے اُس جگہ پہ جاتا — ڈھیروں سے ہے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ — قاروں کا وہیں ہو گیا ذخیرہ
فرخ کہ وزیر با خرد تھا — سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ — کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج — رکھتا تھا محل میں باردر زوج
تھا داغ پسر سے مضطر اس کو — جنتی تھی ہمیشہ دختر اسکو
از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر — کرتا تھا حسد سے قتل دختر
اکبار محل میں پھر حمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

بھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری — بیٹا جو نہ دے جناب باری

اقبال کا کچھ نہ جانیے اوج — کر ڈالیے ذبح دختر و زوج

کنیاں تھی غرض کہ رانیں اسکی — پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی

سلطاں کا جو عہد بے خلل تھا — گھر والوں کو خوف کا محل تھا

ملحوظ بدل بھتا پردۂ راز — ستارہ شناسوں سے کیا ساز

ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند — تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند

پھر اہل نجوم محرم راز — بانو نے ملک سے ہو گئے دمساز

بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے — گویا ہوئے دست بستہ آ کے

حضرت یہ پسر ہے نیک اختر — بد بین مگر ہے ایک اختر

جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں — حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں

حیلہ کر کے چھپا دی یک چند — بیتاب ہوا جب آرزومند

وہ گندم جو نما تھی بالی — مردانہ لباس سے نکالی

خوش ہو کے پدر نے پھر شادی — ٹھہرا دی کہیں کی شاہزادی

بن ٹھن کے عروس شکل داماد — شادی کو چلی بجان ناشاد

اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے — اور روز نکاح تھا سویرے

خیمے سے وہ بیقرار نکلی — اُس بھالے سے مثل خار نکلی

دیکھا تو اندھیری رات سنسان — اک عالم ہو ہے اور بیابان

اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا — جویاے شکار دشت میں تھا

دیکھا تو کہا خضر سے آؤ — منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ

بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد — کیوں تنگ ہے جی سے کیا ہے بیداد

اے مرد خدا خدا کی سوگند — کہہ جس لیے ہو تو آرزومند

بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام — خنجر کا ہو گیا نیام سے کام

کہہ کر کھلے بندوں جی کی نکلی — بے ننگ ہوئی وہ شوخ نکلی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا
تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا

خاطر تری سے نے طلسم دکھلاؤں
تو مجھ سی سنے میں تجھ سا بن جاؤں

موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ
کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ

پائے مردانگی کے پر تو
دامن میں سے دی چراغ نے لو

تھالی میں یہاں اگا صنوبر
واں شیشہ رہا ترش کے ساغر

اب یاں سے ہو قصہ مختصر طول
فرخ کہ وہ تھا وزیر مقتول

بولا کہ سہا جو یہ ہوا ہے
اس بات کا کچھ وجہ کیا ہے

شہ نے کہا سن وزیر دانا
بے فہ سمجھے سنے کو کتنے مانا

یاد آئی مجھے بھی اک روایت
یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
دانا تھا وہ طائر چمن زاد

بولا جب اسنے باندھے بازو
کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو

بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں

پالا تو مفارقت ہے انجام
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام

بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
سمجھاؤں جو پند اسے گرہ باندھ

سن کوئی ہزار کچھ سناوے
کیجے وہی جو سمجھ میں آوے

قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت
عاجز ہو تو ہار دیجے نہ ہمت

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اسکا غم نہ کیجے

طائر کے یہ سن کلام صیاد
بن داموں ہوا غلام صیاد

بازو کے جو بند کھول ڈالے
طائر نے تڑپ کے پر نکالے

اک شاخ پہ جا چہک کے بولا
کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا

ہمت نے مری مجھے اڑایا
غفلت نے تری تجھے چھوڑایا

دولت نہ نصیب میں تھی تیرے
تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا خجل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہوئے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے ہیں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں تخت گہ تک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
کیوں کے بسائے مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں نہیں دانی
خیر اب بھی یہ فتح شہر جو چاہو
بولا کہ وہ قسمت گر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہ ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ قیصر کی بلا جائے
بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا

چاہا پھر کچھ لگا کے لا ر
طائر بھی کہیں نگلتے ہیں لعل
کر لیجیے ایک بھیک نہ بار
دیکھ آ جو سکے تو ڈہل نہ ہووے
دکھلائی دیا وہ نقش پا
گلزار ارم سے تھا خوش آیا
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے
حیران وہ وزیر شہ تک آ
ٹھہرا تو وہ بادشاہ مستا
کیا جانے کہ خود بکاولی ہے
بولا وہ کہ نام سے ہی کیا کام
کھنچا زمین آسمان کا ہوا
بن گھیر لیا مکان بنا ہے
حضرت کا بڑا ہے آپ پر را
آبادی میں آ گئی ہے خرابا
سر آنکھوں سے چلے جیسا
شہر جس کے سے پہلے وہ نہیں شہر
مسند کے تکیے پہ گرد آہو
شل دل بد گماں کا تھا
باہم مہ و مہر کا قراں
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آ
اٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
پہونچا تو وہ شہر خالی پایا

شہزادہ و شہ محل میں تھے واں
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور
دیکھ آیا ہیں وہ مکان یاقوت
تختہ ہے زمرد ہیں کہ سنو
نقشہ کہوں کیا نگار خانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
دیو اسکے عمل میں آ گئے ہیں
کل آپ بھی چل کے کیجیے سیر

بر ہم زدہ بزم کے چراغاں
رخ فرخ فرخ پکار اٹھا
بولا کہ بلا سے شاہ ہو دور
ہے معدن لعل و کان یاقوت
گلشن ہے جو اہرمن کہ جادو
جادو کا تمام کارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی زاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
جادو سے محل بنا گئے ہیں
شہ عہدہ کر آیا ہوں کہا خیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامے سے واشگاف یوں ہے
فرخ جو گیا تو شاہزادہ
رکھا کسی نقش پہ دوسرا پاؤں
دعوت کی اسے خبر سنائی
بھیجوں سے جیتوں اسکی تاڑی
غنچوں سے جو تھا بھرا بیاباں
صناعی انھوں نے رات بھر کی
بجتے ہی گجر وہ شاہ ذی جاہ
جو جو امرا تھے سب بلا کے
مشرق سے رواں ہوا دلاور
بجلی سے جو زرق برق آئے
دیکھا تو تمام دشت گلزار

دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کچھ زیادہ
حاضر ہوئی دیو نی پری بال
دیووں کے رخ اسنے آنکھ اٹھائی
پلکوں سے زمین بن کی جھاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیاباں
مشتاق تھے واں وہ شب سحر کی
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
جسطرح افق سے شاہ خاور
فرش ابر کی طرح بچھتے پائے
دائیں بائیں دو رستہ بازار

خط کی نہ ہوا امید واری — القط ہے قلم کی دوستداری
لکھ کے کہا سمن پری کو — چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا — پورب کی سمت کو چلی جا
رستے میں ہے گلشن نگاریں — رہتا ہے وہیں مراد گلچیں
خاتم کے نشاں سے نامہ دیجو — ٹھہری رہیو جواب لیجو
خط خاتم لے کے وہ ہوا لی — پتا ہوئی اور پتے پہ آئی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں — ثابت ہوا گلشن نگاریں
وہ آدم جو روش پہ پیرو — یعنی تاج الملوک خوش خو
گلگشت میں تھا کسی روش پر — محمود وہ دائیں بائیں دلبر
قاصد نے جو رخ پری دکھایا — دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا
پہچانتے ہی نگین خاتم — بے شبہ ہوا یقیں کا عالم
مجبور تو وہ یوں چلا تڑپ کے — انگار پہ جیسے کباب لپکے
دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا — قاصد نے دیا وہ خط پری کا
گو سحر خموشی سے نے کھلایا — تحریر کو آنکھوں سے لگایا
قاصد سے کلام لطف بولا — خط صورت چشم شوق کھولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا — قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری — کچھ یاس تھی کچھ امیدواری
منگوا کے وہیں دوات و خامہ — تحریر کیا جواب نامہ
اے شاہ ارم کی دخت گلفام — فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نام کے اس لقب کے صدقے — اس نامے کے اس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا — تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں — تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس — افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو | اُمید گئی گئی نہیں تو
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا | جی کھول کے داغ دل دکھاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا | جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے | وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری | میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں | یاں بھی جو رہا تو نیمجاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع | تو بستر شعلہ میں رگ شمع
تو برق و مال میں خرمن خار | تو سیل رواں میں خستہ دیوار
تو جوشش یم میں مور بے پر | میں نقش قدم تو باد صرصر
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا | مر جاؤں گا اب نہ جیوں گا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی | انسان کی ہے مرگ زندگانی
منظور جو ہو حیات میری | تو مان لے ایک بات میری
حمالہ کو بھیج آ کے لیجائے | شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے
بھیجا نہ اُسے تو جان لینا | آسان ہے یہاں مجھی جان دینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا | قاصد نے لیا جواب لایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی | دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
پوچھا کہ اری مجھے خبر ہے | گلچیں مرا کون نا بشر ہے
وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں | بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں
یہ سُن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا | بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مردار | داماد کو گل دیا مجھے خار
گل نقب کی راہ لے گیا چور | زندہ کروں اُس موئے کو درگور
حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں | داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں
آگاہ جو دیو نی سے پائی | بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
توبہ کا تو در نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم

اے شمع نہ سوچ گر بد و نیک
رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا

مانا مری حالت اب ردی ہے
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بلبل اُسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوجی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف اُلجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجے
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے

کچھ روگ جو درپئے خلش ہو
درماں کے لیے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ
ایسا نہ ہو اسے اور پھر رنگ

یاد آ ئیں جو ابروان خمدار
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

کر یاد کہیں چہ ذقن کو
کودے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

دیوانے کی مطلق الفنائی
ہے باعث مرگ ناگہانی

تدبیر کا جو صلہ نکالا
زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
پا بوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاؤلی غضب تھی
زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری — پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہو — بیتابی دل جہاں جہاں ہو
زنجیر جنوں کڑی نہ پڑیو — دیوانے کا پاؤں درمیاں ہو
ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ — قائم جو زمین و آسماں ہو
جو داغ کہ مہر ہے فلک پر — دل میں مرے اب تلک نہاں ہو
کس سوچ میں ہو نسیم لو لو — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہو

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

ہے گھر طلسم اخلاص — ہے بحر سخن میں خامہ غواص
وہ قطرۂ بارش جدائی — وہ غنچۂ بحر آشنائی
وہ بادشہ حباب افسر — یعنی تاج الملوک مضطر
بے بہری چرخ سے جو ناگاہ — گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ
جو ماہ سپہر برتری تھا — سو ماہی بحر ابتری تھا
بادل سا وہ بحر آسماں جوش — بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں — طوفان طلسم جوش افسوں
گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا — ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
موجوں کے عوض تھی پیچ داماں — گرداب کے بدلے تھا گریباں
آگے جو بڑھا تو سبزہ دیکھا — اشجار [illegible]ل کا ذخیرہ دیکھا
جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور — ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل — ہے یاں کے درخت کا یہی پھل
اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام — ڈوبا خورشید ہو گئی شام
ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا — اک نخل کی جڑ میں چھپ کے بیٹھا
ناگاہ سنی صدائے پر خوف — آیا اک اژدہا پئے طوف
صورت میں پہاڑ کی نشانی — سیرت میں بلائے ناگہانی

منھ کھول کے سانپ اک نکالا
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
جب صبح ہوئی تو منھ میں ڈالا
وہ جا کے افق میں سر چھپایا
سوچا وہ کہ لیجے من کسی طور
کچھ گائیں کلیلیں کر رہی تھیں
دودھ اُنکا دوہا پیا کہا لو
نکلا جو پھر آ کے شب کو اندر
گوبر پھینکا تو دب گیا من
بنیے روشنی انڈے ہو گئے وہ
من لے کے جو اُسنے پھیرا مارا
دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
ہیں شجرہ کہ چکی جہاں کا
مادہ سے یہ سُن کے بول اٹھا نر
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
اک سانپ ہے واں پہ چوٹ کرتا
لیکن جو یہ بندہ خدا جائے
لپکے گا خود اُسکو دیکھ کر سانپ
اُبھرے گا لگا کے جب یہ غوطا
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
سب خشک ہے ایک ہے ہری ڈال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھر توڑ کے اُسکے سبز پھل کو

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
جن میں کالوں نے رات کاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
من اُگلی شب کے منھ سے نکلا
دشمن کا تھا سامنا کیا غور
جن میں ہری دوب چر رہی تھیں
گوبر کے اُنھیں سے بھوت پھینکو
گلخن سے دھواں دھوئیں سے اخگر
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
شب کاٹ کے صبحدم سدھارا
مادہ لگی پوچھنے کہ اے نر
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
طالب سے خدا ہیں میں سوا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
تا حوض قدم قدم چلا جائے
منھ چادر آب میں یہ لے ڈھانپ
بن جائیگا آدمی سے طوطا
اڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال
انسان کا رنگ روپ پائے
پھل پھر اُسے دے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتنے کی صفت بیان کیا ہو
منھ میں رہے گوند اسکا جبتک
تھا طلسم عجیب مرغ گویا
کالے نے جہاں بسے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پر آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من ران کو چیر کر چھپا یا
اک حوض پر آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اٹھایا
دکھلائی بڑے دنوں سے شکات
حرض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی نظر اسکے سب لے قید
جب جن کے نہانے کا دن آیا

ہتھیار نہ اُس سے کارگر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پرّے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں بھر کے جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پا کر
اُس پیڑ سے لے گئے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورت عنقا پھر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پیتے ہی وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمہ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب سب چھپایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
فوّارہ تو کم خزانہ باقی
چھاتی پہ دھرا پچھوں سے بڑھکر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آنا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی نے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردمِ دیدۂ ظلمات
اک دیو کی مردہ دل سی مبہوت
زنبور سیاہ خال اُس کے
گٹھا لئے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا کریہ منظر
گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چیتا
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
ناداں ہو جو آبرو کو کھو دے
یہ کہکر کاندھے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ کوہ اک سر سبز
ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو بے نمو پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
روشن ہوا وہ رنگ و روغن
حال رخ و رنگ پر مساوات
پستاں سے قد اسکا نخل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُسکے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
وہ روسیہ اُسکو سمجھی شوہر
کیجو نہیں دیر جلد آجا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
پر آب تھا چشم منتظر سا
پایا وہی رنگ روپ سارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
زنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھولے
گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
عریانی میں پردہ حال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لب حوض اک پری تھی — فوارے کی طرح رو رہی تھی
پُرجوش و خروش اُسنے جو پایا — روپوش سے تاج سر اٹھایا
دیکھا جو پری نے آدمی زاد — آہستہ کہا کہ خانہ برباد
رستہ ترا کھو گیا کہاں سے — کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے
بولا وہ بشر کہ دیو کیسا — ہمکو تو ملا نہ کوئی ایسا
بولی وہ پری کہ جا کہا مان — سر پر ہیں ترے قضا کے سامان
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے — تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو — کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں — اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں
فردوس کا بادشہ مظفر — روح افزا جسکی ہوں میں دختر
سردار گروہ دیولوں کا ہے — سلطان ارم مرا چچا ہے
اک دن میں چلی چچا کے گھر کو — ماندی تھی بکاولی خبر کو
رستے سے یہ دیو پھانس لایا — اب تک تو خدا نے ہے بچایا
نام اُس سے بکاولی کا سنکر — رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر
پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد — تو کیوں رویا کہا کہ فریاد
واں خرمن عیش پر پڑی برق — یاں بحر فسوں میں میں ہوا غرق
واں پھانس چبھی ہے اُسکو غم کی — یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی
بولی وہ کہ چھوٹتے اگر ہم — رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم
بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں — وہ دیو کہاں کہاں تو انساں
دیولوں سے کبھی لڑ سکا ہے کوئی — سایے کو پکڑ سکا ہے کوئی
بولا وہ کہ جی بچا نہ جانی — دیو آگ تو آدمی ہے پانی
ہرچند کہ آتش جہاں ہے ہو لاک — دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ
بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد — وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی — لاٹھی سے جدا نہو گا پانی

بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے — موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے

یہ کہہ کے جتائے جوہر اپنے — سامان دکھائے یکسر اپنے

ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے — پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے

لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا یہ جا کر — ظاہر ہوا ٹوپی کو اُٹھا کر

یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے — اُڑنے چلنے کے پائے گُر قرینے

تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو — وہ آدمی لے اُڑا پری کو

وہ دیو پری کو اُڑتے پا کر — اُچھلا تو بلا ہوا یہ جا کر

شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی — جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی

بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن — بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن

وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا — حیرت زدہ آدمی پہ لپکا

شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا — بادل سا ہوا کا ہم قدم تھا

دیکھا جو نہ دیو نے گزارا — پتھر اک اُٹھا کے پھینک مارا

وہ سنگ گراں جسیم بہ غول — تاثیر سے پھول کی بن گیا پھول

لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور — جس طرح عصا سے جام بلور

غل کر کے زمیں پہ گرا دیو — مجبور ہوئے ہزار ہا دیو

بادل کی طرح جو اُٹھے دشمن — لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن

موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اُسکا — ایک ہی لاٹھی نے سب کو ہانکا

سر ہو گیا کوہ پیکروں کا — جی چھوٹ گیا دلاوروں کا

ٹوپی کو اُتار کر پری نے — [illegible] سے قدم [illegible] پری نے

شہزادے نے تاج سر پہ رکھا — لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا

فردوس میں جا کے صورت حور — ماں باپ سے آ ملی وہ مہجور

دیووں کی وہ سرکشی مٹائی — انساں کی وہ مردمی جتائی

سن سنکے اُڑے حواس اُنکے — لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے — پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسنے تاج اُٹھایا — خیمہ اتوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑے تھے — ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی — عریانی قبا ہے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا بروگی — کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
حسن آرا اُس پری کی مادر — باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پر گرے کہا ادب سے — حرمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا خدا کرو واہ — ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے — آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہو فرمان — تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کھولو کمر آؤ لطف فرماؤ — شربت پیو میوہ سے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے — کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیاح کو کیا قیام سے کار — شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر — آب دریا بہے تو بہتر
روح افزا بول اُٹھی اجی واہ — ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ
آرام کیجے و کرم کرو آؤ — ہم رام ہوے نہ رم کرو آؤ
مجھ سے الگ مکاں میں لائی — آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے — ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سنسان — دھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا — بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے — یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا مژدہ شاہ ارم تک آیا

جانا تھا یگانگی ہیں لازم ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم

وہ ساکن خانۂ سلاسل یعنے وہ بکاؤلی بیدل

کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی

سن کے قیدی کے زار نالے زنجیر کے پیچ سے نکالے

تخت اُنکی سواریوں کے آئے اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے

بانوے ارم سے شہر جمیلہ دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ

روح افزا سے ہو بغلگیر صورت پوچھی کہا کہ تقدیر

کہہ سن کے مبارک و سلامت بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا نے کہا تجھی جان تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان

خاطر سے کہا کہ خیر لیکن لیجاؤنگی خود میں ساتویں دن

یہ کہہ کے وہ وحشت مجسم آہوسی ارم کو کر گئی رم

روح افزا نے کہا بہن سے بہتر نہیں کوئی جا چمن سے

گلگشت کریں چلو کہا خیر کیا جانے کہ ہو گی سیر میں سیر

چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا

روح افزا نے کہا کہ ہمشیر میں نے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر

واللہ کہ چھان کر خدائی تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی

سمجھی وہ ہنسی کہا سڑن ہو نادان ہو کیا کہوں بہن ہو

ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا پیارا ہووے گا وہ تمھارا

پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں

بولی وہ کہ سر شنا تمھارا پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا

گر اُسکی تلاش میں ہیں کھوئی بدراہ نہ کہہ سکیگا کوئی

جو چاہو کہو جواب کیا دوں قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں
تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
سودا ہے مری بکاؤلی کو
ہو چاہ بشر کی باؤلی کو
مشہور ہو ضدّ انس و جانی
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی
حسن آرا نے کہا جمیلہ
مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
کاوش تری بے ثبات ہے یہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ
وہ دل جو ہوں جان سہنے پہ راضی
یہ جان لے کیا کریگا قاضی
بولی وہ جمیلہ ہوش میں آؤ
جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
تجویز کی آپ نے ہیں قرباں
لیجاوے مری پری کو انساں
حسن آرا نے کہا کہ خاموش
شعلہ کو کیا ہے کس نے خس پوش
اسباب نہ جمع کر ضرر کے
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے
بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
وہ بولی نہ تھی کہتی ہوں کیا
جب دل ہی پری کا آگیا ہے
انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
انسان ہی سے تھے حضرت سلیمان
انسان ہی سے تھے مسیح دوراں
قطرۂ بحر کبریائی
دریا ہے جو ہووے آشنائی
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
افسوس جو آدمی نہ سمجھے
دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کے
پھندے میں پھنسا ہے پیش و پس کے
بیاہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں
شادی کے لیے ہو کاک سنجرت
انگشت قبول و دیدہ حیرت
حسن آرا تھی جو نیک تدبیر
دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر
پہچان سکے خال و خط سے انداز
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز
بولی کہو کیوں کہا کہ مانا
پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے کہنا
ہنسنے تو سمجھ کے سر کیا ہے
ٹھہری یہ غرض کہ آ جکی رات
فیروز شہ آ گئے چھیڑیے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
یاد اُسنے کیا بکاؤلی کو
تصویر بشر دکھائی اُسنے
دیکھا تو نہ فرق تھا سر مو
نقشے سے وہی نگار پایا
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
پیارے سے نہ ہو خلاف وعدہ
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
روح افزا کا جو آگیا دھیان
جانا کہ بہار فصل سے ہے
اقرار میں تھی جو بیحیائی
حسن آرا نے کہا مبارک
سج دھج یہ بنی اور بنائے
ستارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
واں مہندی نے چومے پا ہو خورشید
وہ واں یہ گلاب سے نہائی
واں غازے سے رخ شفق میں خورشید
افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
واں مانگ سے رنگ کہکشاں مانند
واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
آنچل ہوئے واں نقاب عارض

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُسنے
چاہیئے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سا آ گئے آیا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی لجائی مسکرائی
ایجاب اُسنے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آلے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو جو یہ خبر سنائی
دن گننے لگی خوشی سے بالے
یاں سبز ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منھ پہ رنگ امید
یاں جبیں سے روشنی و خنداں
یاں سلسلۂ سر سے ہالے میں چاند
طرۂ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ
سہرا ہوا یاں خضناب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا
یاں جامہ وفا کا اس نے پہنا

محرم کے کسے گئے اُدھر بند
ہمت کا بندھا اِدھر کمر بند

واں گل سے بہار بوستاں تھی
آرائش تخت گل یہاں تھی

الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس
یاں جلوہ فروش تخت طاؤس

مہتاب سے چاندنی کا واں فرش
یاں چرخی سے چرخ میں سر عرش

واں جلوے حنائی انگلیوں کے
یاں روشنی کے تھے پٹاخے

بادل سے وہ واں گرج رہے تھے
یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے

واں پریوں میں ذکر آدمی زاد
نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد

گلگوں تھا کسی کا باد رفتار
گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار

ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی
گھوڑے تھے تو ابلقی کی لت تھی

وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز
تھا پا بہ رکاب شوق مہمیز

در تک جو برات ادھر سے آئی
کی سب نے اِدھر سے پیشوائی

فیروز مظفر ایسے دو شاہ
پُر نور تھے جیسے مہر اور ماہ

باران گلاب و بارش گل
ہو کر بڑھے آگے کچھ تجمل

سلطان فیروز رشک جم تھا
نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا

ہر پالے بنے کا شور و غل تھا
سنبل کا بجوڑ تو ہجر گل تھا

گل سے خوانوں میں زر وہ لایا
اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا

خورشید سا آفتابہ لائے
مُنہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے

قلیاں پیے مشکبو ہوا دستار
بیڑے چکھے پان کے ہزار

جب عقد کی اُس کے ساعت آئی
دو رشتوں میں اک گرہ لگائی

یکجا کیے وہ عروس و داماد
وہ جان پری یہ آدمی زاد

حیرت نے آئینہ دکھایا
شربت دیدار لے پلایا

زلفیں ہوئیں چہرے کی بلائیں
ٹوٹا وہ نگاہیں سحر آگیا

جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اسپند نگاہ بد بدل تھا
جو بڑی جو ملی بنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گائیں تھیں شہانے گانیں — سیتی ہوئے نیگ راگ لائیں
حق پاکے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولہا دولہن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار با بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں،
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں — دروازوں نے بند کرلیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا طے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دولہن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دختِ رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشکِ جام سرشار — لبریز ہوئی شراب دیدار
گردن تھی صراحی مے ناب — ہاتھ آئی وہ پھر مستیٔ خواب
جب اوڑھی عروس مہر نے چادر — نکلا پردے سے شاہ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی وہ دولہا دولہن سحرگاہ — نکلے آرامگہ سے دلخواہ
منھ گھر کو براتیوں نے موڑا — محظوظ وہ دولہا دولہن کو چھوڑا
وہ جوش گلاب میں نہایا — یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
واں جوڑا چست تنگ بدلا — یاں جوڑے کے منھ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھپی تھی خوش آہنگ
رخصت ہوا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگار زمین میں
غربت سے جواب سر وطن ہے — گلاب وزیر یاں پہ جز شغل نہ ہو
شادی ہوکر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا ہیں خانہ داماد
غربت میں وطن کی دھن سمائی — اس غول کو یاد ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے تو شعلہ کی سوے آسماں ہے
عزم سفر وطن سمجھ کر بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر
چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہاتھ اُسکا پکڑ کے باہر آئی ماں باپ کے پاس دختر آئی
ہوتے ہی دو چار خویش و دختر دو سے ہوے چار اُس جگہ پر
وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد جو تھا اُن میں یہ آدمی زاد
چومی اُسنے زمین خدمت غربت سے وطن کی چاہی رخصت
فیروز شہ و جمیلہ بانو دونوں ہوے سُنکے سر بہ زانو
غوطے میں جو آ گئے وہ یکسر بولی ماں باپ سے وہ دختر
پردیسیوں سے جو کی ہے نسبت اب کیجیے ہنسی خوشی سے رخصت
دعوے نہیں کچھ دیے ہوے پر قائم رہیے کیے ہوے پر
لازم جو ہو اُنہیں کد نہ کیجیے سائل کا سوال رد نہ کیجیے
بولے وہ کہ سخت تھا زبردست خورشید کو ذرے نے کیا پست
انسان سے جھکی پری کی گردن کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن
یہ کہہ کے منگا لیے دو ہوا دار نسلو دیو بُلا لیے باد رفتار
ہو کر دیوؤں کے زینت دوش رخصت وہ اُدھر ہوے ادھر ہوش
اشکوں سے شگون لیا نرالا آئینہ رخ پہ پانی ڈالا
سونپا مختار کو جو مجبور گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور
آئے پر تو وہ باغ سحر بنیاد تھا آب و ہوا سے خوش سو آباد
خیل و خدم اسکے منتظر تھے مانند حواس منتشر تھے
پہچان کے اسپ نے غل مچایا آیا تاج الملوک آیا
داخل جو ہوے محل کے اندر محمودہ لپکی دوڑی دلبر
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے
محمودہ دیکھ کیا پری ہے

سبحان اللہ کہہ کے دلبر
بولی کہ یہ گھر ہوا منور

محمودہ نے کہا مبارک
خشنودی آشنا مبارک

اُن مختصروں نے جب دیا طول
بولی وہ بکاؤلی کہ معقول

یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار
خوش پوش ہو ایک جوڑے دو چار

درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش
ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاؤلی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج
اب یوں ہے کہ خامہ ہے نوا سنج

از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز
ہے خرمن عیش پر شرر ریز

یک چند وہ مہ تھی کاہشوں میں
گذری اک عمر خواہشوں میں

تقدیر سے جب مراد پائی
راجہ اندر کو یاد آئی

اندراسن امر نگر ہے شہر ایک
خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک

اندر ہے بادشاہ اسکا
آسن ہے تخت گاہ اس کا

مصئون وہ قضا سے اسقدر ہے
اُس بستی کا نام امر نگر ہے

یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں
روحانیوں کا نشیمن اُسمیں

کہتے ہیں مورخان ہندی
آباد ہوا پہ ہے وہ بستی

راجا کہ کمال پارسا ہے
مقبول جناب کبریا ہے

خالق نے دیا ہے فوق اسکو
نغمے سے ہے ذوق شوق اُسکو

انساں کا سرود و رقص کیا ہے
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے

باری باری سے جو پری ہے
راجہ اندر کی مجرئی ہے

لیکن جو بکاؤلی دل افگار
باری پہ پہنچ سکی نہ یکبار

اک شب راجہ تھا محفل آرا
یاد آئی بکاؤلی دل آرا

پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے
شہزادی بکاؤلی کدھر ہے

منہ پھیر کے ایک مسکرائی
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی

چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک

بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا

ناتا پریوں سے اُسنے توڑا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا

وہ حُسن کے خفا ہوا کہا جاؤ
جسطرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ

پریاں اُڑیں اوپر اوپر آئیں
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں

دیکھا تو وہ دونوں کر رہے تھے خواب
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب

ہمبستر آدمی پری تھی
ساتھ اُسکے بغل میں چاندنی تھی

غافل جو مُوکلوں نے پایا
اُس نقش مراد کو جگایا

جاگی تو سب اُسکے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے

اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانند رنگ جوڑا

ساتھ اُسکے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مقابل آئی

راجہ نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بےحیائی کب سے

بو آتی ہے آدمی کی لے جاؤ
ناپاک ہے آگ اُسے دکھا لاؤ

شعلہ سا پری کا جسم کانپا
مُنہ دامن اشک تر سے ڈھانپا

پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتشکدے میں ڈالا

کافور سی جل اُٹھی سراپا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنھیں جلاپا

جو آتش گل نہ لے چمن سے
چھونکا اُسے آگ میں جلن سے

جس رخ پہ تھی کاکل معنبر
تھا چشم زدن میں دود اخگر

جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک

جیسے نفس ایک خضر آئی
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی

شعلے سے زیادہ پاک داماں
ششدر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غیر ناچار | اغیار ادا سے کر لیے یار
برخاست کا وقت صبحدم تھا | راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
بولا جا یوں ہی آئیو روز | جل بجھ کے سدا سنائیو سوز
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی | پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پیشواز کنارے حوض اتاری | شب کی پوشاک پہنی ساری
بیتاب آ راگمہ تک آئی | ہمخواب کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آ کے سوئی بیتاب | جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
وہ آ ہوئے مست خواب خرگوش | یعنی تاج الملوک بیہوش
اُس شب تو بغل میں آ کے جاگا | پر دوسری شب وہ جاگے جاگا
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے | پہلو میں جگر کے دم نہیں ہے
حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر | جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
دائیں دیکھا نظر نہ آئی | بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
عورت تھی گماں پڑ سے کھٹکا | جانا کہیں دل کسی سے اٹکا
اتر در نظر آیا در کا سایہ | سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا | پل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا تو پری بغل میں پائی | وہ نقش وفا عمل میں آئی
دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب | گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب پھر ڈھلک گیا لب بام | مہتابی پہ آیا وہ سر شام
معمول سے بزم میں ہوئے جمع | مینا و کباب و مجمر و شمع
جام اُسنے بھرا کہا پیالے | دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار | دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور | میں آج نہ ہونگا شامل دور
ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا | شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر — چبھنے لگے اسکے انگلیوں پر
بیداری شب کی گھات پائی — ظلمت سر دست ہاتھ آئی
کف میں نمکیں کباب لے کر — چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر
بند آنکھیں کیے ہوئے نمک لب — بیدار رہا تو آخر شب
پریوں نے ہوا سے تخت اُتارا — ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
سوتا اسے جان کر اُٹھی وہ — پوشاک بدلنے کو گئی وہ
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ — پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید — ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
جاتے ہی زمیں سے آسماں پر — پہونچی اُس بزم میں سماں پر
لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا — پر صوت و صدا وہ دائرہ تھا
ٹھٹکے یہ پہونچ کے تخت ٹھہرا — مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا
آتشکدہ پریوں نے بناکر — پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار — تھا پہلوے گل میں صورت خار
فریاد نہ کرنے پایا مضطر — تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر
راجہ جس رخ تھا محفل آرا — دل لیتی ہوئی چلی دل آرا
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ — آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
محفل میں جو آئی شمع محفل — پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
جوگانی تھیں بیٹھی مثل آواز — مجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی — خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
رقص اُسکا اگرچہ خوشنما تھا — سنگت کا پکھاوجی لٹکا تھا
شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں — لیں طبلہ نوازکی بلائیں
آہستہ کہا کہو تو آؤں — فرماؤ تو بندگی بجاؤں
اُسنے جو پکھاوج اسکو دیدی — کیفیت اتفاق نے دی

تھا سحر پہ یہ اُس پری کا نقشا
سب آنکھ بچا کے کہتے تھے آ

محفوظ کیا جو سب کو اکبار
بخشا راجہ نے نو لکھا ہار

انداز سے اُس نے لیکے مالا
کاندھے پہ بکاؤلی کے ڈالا

برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار

لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور
چھپایا ہوا زیرِ تخت اسی طور

بادِ سحری چلی جو سن سے
وہ شمع سدھاری انجمن سے

خورشید سے پہلے اُڑ کر آئی
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی

وہ حوض کے رُخ چلی اُتر کر
یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر

وہ آئی تو غافل اسکو پایا
آغوش میں آ گلے لگایا

جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش

اُس غنچہ دہن کا مسکرانا
بے رنگ بکاؤلی نے جانا

ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں

بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا
آتش پہ کباب دیکھا تھا

بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر

بولا وہ کہ رات کو افق میں
خورشید تھا آتشِ شفق میں

بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
عالم میں رہو گے روز افروز

بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا
گلزارِ خلیل رو برو تھا

بولی وہ بشر ہو یا دلاور
سرسبز ہو قوم آتشی پر

بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں
شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں

بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں
جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں

بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا
بخشا مہِ انجمن نے ہالا

ہالہ مہِ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا

گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے
بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا — پہچانتی ہو وہ طبلے والا
لیوں جی یہ اکیلے تب کو جانا — اوپر اوپر مزے اُڑانا
یہ سُن کے پری وہ سوختہ تن — بولی کہ سُن اے صلاح دشمن
میں جا کے جلی تو غم نہیں ہاے — ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو — تم نام نہ واں سنکے جلنے کا لو
افروختہ آتشِ حسد ہے — جلنا یہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے — میں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا — لیکن اُسنے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت — یا قسمت یا نصیب یا بخت
واں جاکے وہ سوچی اسکو لاگ — سے چاہیے تو راجہ لائیگا راگ
سنگت کا پکھاوجی بنا کے — گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے — مہتاب ہیں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے — باقی ساقی شراب دے دے
اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور — اپنے منھ سے جواب دے دے
لیلے میں نے تجھے بنایا — مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اُس گل سے نسیم زر نہیں مانگ — جو چاہے وہ حساب دے دے

نصف پتھر ہو جانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بد دعا سے اور بتخانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور ڈھانا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری — یوں پایہ قلم ہوا ہے بھاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی — گائی اور ناچی بڑی گھڑی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے — جو چاہیے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو — مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے — خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری سے بیباک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین
اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
قالب ترا انقلاب کھا لے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اس وقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سن کے
خواہش جو بلا سے جاں ہوئی وہ
ناری سختی پڑی ہمرا بتائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ ادھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی کھیا وجی سے
وہ چونک کے بول اٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنکے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اتاری سب نے پوشاک
پردے کا جو کچھ خیال آیا
سب ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیجئے جل

راجہ اندر ہوا غضبناک
سے چشمہ آفتاب سے آب
جا تیری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے ملے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سرکو دھن کے
ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچھی تھی سو گیا شل
عاشق کی طرح بکھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق ہے جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بت سی وہ ایک مٹھ کے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اڑا رہی تھیں
خس پوش کیے وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں — باہر بصد آب و تاب آئیں

پوشاک دھری ہوئی نہ پائی — جانا کہ حریف نے اڑائی

جھک جھک کے بدن چرائی آئیں — رک رک گئے قدم بڑھاتی آئیں

دکھلائی کسی نے چشم جادو — چمکائی کسی نے تیغ ابرو

جھنجھلا کے کہا کہ لاؤ مانو — ہمکو بھی بکاؤلی نہ جانو

بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو — ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو

پوشاک جو لینی ہو تو پہونچاؤ — بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ

عریانی کے ننگ سے بچائیں — ستار کی قسمیں سب نے کھائیں

شہزادے نے کرکے پاس انکا — خلعت سا دیا لباس انکا

پریاں ہوئیں رخصت سبھی خرسند — ہو جیسے ہوا حباب میں بند

شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو — اس گل کو اڑایا صورت بو

واقف اس بتکدے سے تھیں وہ — سنگلدیپ اسکو لے گئیں وہ

وہ جا ہے بکاؤلی بتائی — دیوانے کو باؤلی بتائی

بتخانے میں تھا طلسم کا در — ششدر رہا چار سمت پھر کر

عقدہ کھلا شام ہو کر اسکا — شق مثل قمر ہوا در اسکا

دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر — جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر

تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ — تھا گو وہ سرین کے آگے پا سنگ

چومے جو قدم اس آدمی نے — سینے سے لگا لیا پری نے

نرمی سے کہا بخیر گذری — کس سختی سے تم بغیر گذری

ہمپر تو پڑے وہاں پہ پتھر — تم کیونکر سنبھلے کہا مقدر

گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم — پھر پریوں کے گھر سے اڑے ہم

جذبہ یہ تم پاس کھینچ لایا — سختی اب وہ وہ بھو حسدایا

تا آخر شب فسانے کہہ کر — بولی وہ پری کہ اسے دلاور

یہ در مانند چشم بیخواب
ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب

پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
کل پھر سر شام خیر سے آؤ

مصرف کو جو ہو ضرورت زر
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر

کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
دامن پہ مثال اشک ڈالے

صدقے وہ بشر ہوا پری کے
قدموں پہ گرا نکل ڈُلی سے کے

بالوں اُسکے چھوے تو تیغ سو پائے
آنسو چھوڑے گہر اُٹھائے

نکلا جیسے ہی مٹھ سے باہر
پتھرا گئی چشم حلقۂ در

آنکھوں سے یہ دیکھتا ہوا پھر
آگے کو بڑھا چلا سوے شہر

بازار میں جا کے بیچے گوہر
مفلس سے ہوا وہ صاحب زر

گھوڑا جوڑا نفر حویلی
جو جو شے چاہیے تھی لے لی

جب منزل شب میں رہرو روز
لے گوہر شبنم آیا پُرسوز

گنبد گردوں کا تھا جو بے در
تاباں ہوے اسمیں ماہ و اختر

سیاروں سے کرکے استخارہ
اُس برج کے رخ وہ مہ سدھارا

دیکھا تو در قبول وا تھا
رگڑا اُنھیں ایڑیوں پھرا تھا

شب سایۂ زلف میں بسر کی
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی

تقدیر نے راستہ بھلایا
راجہ کے محل کی جانب آیا

چھتر وقت اُس کی ماہ پارہ
غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ

دیکھا تو جواں تھا یہ تصویر
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر

یاں پردہ در نظر سے گذرا
واں تیر نظر جگر سے گذرا

دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہے

راجہ سے خوش خبر بیاں کی
مشاطۂ خوش ادا رواں کی

شادی کی خبر سے وہ یکایک
خوش خوش آئی کہا مبارک

اُس شہر کا چترسین راجا
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آئے ۔۔۔ ہر شہر کے تاجدار آئے
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر ۔۔۔ طالع قسمت نصیب تقدیر
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جب ۔۔۔ کیسی رانی کہاں کا راجا
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ ۔۔۔ غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
الفت میں سے آبرو گنوائی ۔۔۔ کب چشمۂ مہر میں ہے پانی
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور ۔۔۔ دُر ہو مرے سامنے سے چل دور
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ ۔۔۔ قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
پایا جو جواب منتظر نے ۔۔۔ آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
تقدیر کی بات ہونے والی ۔۔۔ زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
من سائیں کاران سے نکالا ۔۔۔ بازار آیا وہ سرو بالا
کیا جوہری مول کرکے اسکا ۔۔۔ راجہ تک دفتر دفتر پہونچا
جو مدعیوں کا مدعا تھا ۔۔۔ موقع وہ ملا تو کیا برا تھا
جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے ۔۔۔ سمجھا کے وبا کے دست پا کے
من موہن کے چوری کے بہانے ۔۔۔ بھیجا کھلے بندوں قید خانے
زنداں میں وہ نیم جان و بسمل ۔۔۔ زنجیر میں پاؤں زلف میں دل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا ۔۔۔ دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
دارا وغیرہ محبس خفا نے ۔۔۔ رانی سے کہا کسی بہانے
یوسف کی خبر لے او زلیخا ۔۔۔ زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا
اس چاہ میں کام ہو نہ جائے ۔۔۔ یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
دانا تھی وہ جیلخانے آئی ۔۔۔ بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر ۔۔۔ تھی حلقہ بہ حلقہ زلف و زنجیر
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے ۔۔۔ زنجیر اسکی ہلائی اُسنے
پابند بلا وہ مبتلا تھا ۔۔۔ کب اسکو خیال شبہ پا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی
قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
اٹھا وہ پری کی آرزو میں
واں دھن کہ صنم سے کد خدا ہوں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم
راجہ نے اشارہ واں کا پایا
دن ڈھل کے وہ ماہ نو سرِ شام
دروازے کا مٹھ کے دیدہ وا تھا
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ
دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
توفیق یہاں تلک جو لائی
قدموں سے لگا لپٹا ہوا وہ
رانی کی وہ مہر سرگرانی
من سمجھے اپنا قید ہونا
چھڑوانے کا وہ آپ آنا
شادی نہیں کچھ خوشی سے بانی
غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا
پیاری یہ نہیں حنائی چنگال
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا
کالے ڈسیں بال اگر چھوے ہوں
بگڑا ہی وہ کہ چل بنا نہ باتیں
میری تجھے ایسی کیا لگی تھی

بڑی کٹوائی بے گنہ کی
انکار رو گر نہ جانے دو آؤ
یہ سمجھی کہ بھا نشا گفتگو میں
یاں دھیان کہ بت کا پا رہا ہوں
آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
سعدن کا نہ اسچہ ملا یا
غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام
توبہ کا نہ در کھلا ہوا تھا
دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
تاؤں سے پری کے لگ گئی آگ
کس راہ کی زن نے رہزنی کی
مہندی پاؤں کی گھس نہ جائی
مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
راجہ کی وہ تھی حکمرانی
دامنوں کے لیے وہ صید ہونا
سب کہہ کے کہا خدا ہے دانا
بے تیرے تلخی برگ زندگانی
شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
چھالے پڑیں گال اگر چھوٹے ہوں
مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
تلوؤں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ — آسان نہیں کڑی اٹھانا
پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں — فولاد جگر کہو تو میں ہوں
سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی — آسایش جاں نہ تندرستی
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ — سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ
قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن — پتھر کے تلے دبا ہے دامن
کب جا ہیگی عقل مصلحت سنج — تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو — ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
وہ معتقد اسکے پاؤں چھو کر — اٹھا بچھا تی پہ رکھکے پتھر
آیا تو وہ نو عروس زیبا — بستر پہ تھی تمثیل نقش دیبا
نیند آئی جو تھی بصد کدورت — تھی چین بجبیں شکن کی صورت
سوئی تو تھی انتظار میں وہ — جاگی تو ملا کنار میں وہ
یوں سوئے جو کٹی شب جدائی — سو خفتہ نصیبی اپنی جانی
تھے صبح سے دونوں شام جویاں — شب کو ہوئے داخل شبستاں
دونوں تھے تصور دل میں کاہل — خلوت خانہ تھا گوشۂ دل
دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے — پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
کروٹ لے کر وہ عنبریں مو — اٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دلگیر — آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
حسرت چھائی تو کھو گئی وہ — غفلت آئی تو سو گئی وہ
غافل اسے چھوڑ کر اٹھا یہ — لپکا تو پری کے رخ گیا یہ
یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار — دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
دوری نے جو حد سے کی درازی — جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
اس رات کو چپکی ہو رہی وہ — کل سمجھو نگی کہہ کے سو رہی وہ
وقت سحر اسکو پا کے رانی — ہم بستر خواب سرگرانی،

خلوت خانے سے باہر آئی — دربانوں کے پاس در پہ آئی
حکم اُن کو دیا کہ شام کو آج — جاؤ ہمراہ صاحب تاج
سایے کی طرح سے ساتھ رہنا — جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
جسوقت چلا پری کا مانوس — سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا — وہ بُرج وہ مہ مقام دیکھا
اک اُن میں سے رانی پاس آیا — کی عرض کہ لو سُراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے — اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا — یکجا بُت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک دُرج میں ہے — شمس و قمر ایک بُرج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ — واں بولی بکاؤلی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار — لیکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا — پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگئے بیچارے — انعام دیا کھلے خزانے
پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ — اور اُس سے کہا کہ لو سُنا کچھ
بُنیاد بنا د کھود ڈالی — جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز و شب بھر — اب دیکھو گے جا کے خاک پتھر
سنتے ہی وہ بیقرار لیکا — دوڑا بے اختیار لیکا
دیکھا تو وہ ماہرو نہ وہ بُرج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج
شور اُسنے کیا کہ کیلیے شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد پر افگنی کی بانی — ہر سوت مری وہ تیری رانی
کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور — رہنے کو ملا نہیں مکان اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھی سنگ — سنگست بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے — جا کچھ دنوں صبر کر خدا سے
حیرت زدہ چپ خموش سنساں — ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی — گویا وہ ہوا سخنوش بیانی
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں — تو خار سی بیخ کن ہوئی کیوں
دوراں کو تھا انقلاب منظور — مختار خدا ہے بندہ مجبور
اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس — راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس
جب کام روا ہوئی وہ رانی — گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہے اب قلم کا دہقاں — صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں
جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد — جیسے کہ ہو گرد باد برباد
دہقاں تھے نئی زمیں کے جویا — سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
جب چین سے کر چکے تردد — کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشد
دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ — کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا — سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا
وہ بانجھ تھی جب حمل سے پھولی — سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
ایام سفر رہی گذر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور — قلقل سی وہ ماں تھی پیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پئے نظارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ — یعنی تاج الملوک دلتنگ
چرچا سُنکر چلا کہ دیکھوں — دیکھا تو کھلا نظر میں افسوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن — سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا — اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے — دولت صدقے پہ سیمبر دے

دہقاں نے کہا کہ میرے صاحب
دختر جو پسندیدہ لقا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
دن دن اسے ہو گیا قیامت
چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
خواہاں ہوئے ہموقار اُسکے
کہہ بے سربرگی اپنی دہقاں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر
دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ
صحبت ہے برابری میں زیبا
دہقاں زادی وہ سبے محابا
خواہاں سے مرے نہ ہونا ناخوش
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
گذرا بارے جو عہد سختی
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
واں تھا کسی وقت کا دفینہ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
اک آدمی زاد کی بدولت
ناگاہ سمن پری لیے تخت
رخصت اُسنے شہ سے تخت اُڑایا

یہ باتیں نہیں تمھیں مناسب
بختی نہیں لعل بے بہا ہے
جبتک کہ ہو کام نکالا نہیں بار
عورت ہو جواں تو انکلے کچھ کام
آیا کیا اسکو دیکھنے روز
بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
دہقاں ہوئے خواستگار اُسکے
بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شادی کو کہا حیا اُٹھا کر
تم کوہ وقار ہیں پرکاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
بول اُٹھی کبن آن سے کہ بابا
ہے دختر رز نصیب مے کش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
آئے ایام نیک بختی
پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ
تو کیا جانے بکاؤلی ہوں
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخصت
داماں نظر سے منھ چھپایا

چترا وت کا محل جدھر تھا — سوتا جس رخ وہ سیمبر تھا
واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں — پروانے کے اپنے شمع بالیں
بیدار کیا وہ ماہ پیکر — جاگا تو تھا آفتاب سر پر
اُٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی — آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی
مُنہ دیکھتے ہی بکاؤلی کا — سایہ اُسے ہو گیا پری کا
بولی وہ بکاؤلی سیانی — ہے سوت مری یہی وہ رانی
بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری — یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
جوڑی ہے مری تو ہاتھ اِن کے — چل آ کہ چلا میں ساتھ اِن کے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر — میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
یہ بات بکاؤلی کو بھائی — شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں — گیا دور تھا گلشن نگاریں
مدت کے جو بعد گھر میں آئے — کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے
فردوس کی بیسوا کہ وہ دلبر — محمودہ دیونی کی دختر
چترا وت چتر سین کی جان — آرام ارم بکاؤلی جان
اُن چاروں میں ایک مست بادہ — پورب کا پادشاہ زادہ
پانچوں سر پنجۂ وفا تھے — یا خمسۂ مطلع صفا تھے
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع — آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا — حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو — اطراف سے مملکت کے ہیں تو
جو جو آیا بلا تکلف — اک قافلے سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدردانیاں کیں — مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجمع بد و نیک — رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
روح افزا سے بکاؤلی کو — اُلفت تھی روکی دل لگی کو

رکتا ہوا اُس پری کا مشکل — یہ دل لگی اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستاں آئی — یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے — روکا جو یہاں کئی مہینے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی — یا آتش مہر کا دُخاں تھی
وہ مست مئے فسانہ گوئی — مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیرزادہ بہرام — گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی — ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے — بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکل شب سے رخ خورشید — تاباں ہوا بہر چشم امید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج — رکھتا تھا دریگانہ وہ درج
بیتابی سے نے کچھ قرار پایا — مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی — سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا — مانند سُہا وہ مہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی — ناگاہ وہ مست خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر — مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا — مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی — انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا — رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام — تھا غم سے کنار گور بہرام
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز — قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدائے روح افزا
بولی وہ ارے بشر پری ہے
شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اس نے ہی راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
پوشیدہ گھر اسکے لائی اسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس سنے مجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کر کے
الٹا اسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آ کر جو نہ پائے وہ کون
سوجھی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بہرام اس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اسکو سوجھی
ہاتھ آ کے نہ پائے جو وہ مجذوب

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاؤلی ہے
ہمتا ہے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہنچی زنانے بھیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
منھ بولی بہن بنائی اسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اس کی ہوئی جو پیار کر کے
خط سمجھی وہ کاکلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
کہہ دل کی یہ کہہ کے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اسے سمجھ کر
بولا تو بات کیا ہے بوجھی
ہو کر نہ دکھائی دے وہ محجوب

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ بوجھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی چلی میں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا ننگ
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جا کے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بدبیں سمجھ کے گو رکا نام
طوق اس کو طلسم کا پہنایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
غماز تھی اک خواص اسکی
اک دن پنجرا اٹھا کے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
اک اسکو لے چلے جلانے
شہزادہ بکاؤلی کے ہمراہ
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
جلنے سے پناہ دے کے اسکو

تقریر سُنی ہوئی سُنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری بوجھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
جاکر طلبی اُسے سُنائی
ساتھ اُسکے زنانے میں گیا وہ
دھوکا بکچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہاں دلِ تنگ
بادام بنفشہ کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
وہ تجھکو بتاؤں سحر سے گورہ
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اُسے سرو نے بنایا
شب کو اُسے آدمی بنائی
وسواس تھی وقت خاص اُسکی
حسن آرا کو وہ شکل بھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غصہ غضب اُس پری کو آیا
آتشکدے میں جلاؤ اسکو
تقدیر کے سپنے کار خانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
بوستے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آ سے لیکے اُسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا | بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل یہ جلانے کے ہو فاسق | روح افزا کا ہوا ہے عاشق
بولی وہ بکاؤلی کہ قربان | یہ کون سی فہم ہے چچی جان
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا | کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے | تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار | تب عیب نہ تھا تو اب ہو کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود رسا کی | سوچی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جسطرح کے انداز | شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو ساز طرب ملے خوش آہنگ | دو راز ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور | فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جو اُس زمیں میں آکر | آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی اُن گلوں کو بیخار | سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح اُنھیں بہم ملایا | بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد | گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد | توقیع قبول را وزیش باد

۱۲۵۴ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

مارچ ۱۹۲۹ء